اسد محمد خان کے شعری تراجم: ایک تجزیاتی مطالعہ

Asad Muhammad Khan's Poetic Translations: An Analysis

DOI: 10.5281/zenodo.7759904

**Dr. Muhammad Sulaiman*
***Dr. Shahab Uddin*
****Dr. Taqwim ul Haq*

ABSTRACT

Asad Mohammad Khan is a well know fiction writer, as well as an excellent translator His translated poems and fictions have published in various journals from time to time. He has translated many famous poems of the famous English poet Ezra Pound and received praise from critics. Apart from this, he has also translated many poems of Różewicz. He has maintained special care of literature in his translations and brought the translation to the level of creativity with his best additions. All his translations follow the rules of translation. At the same time, they highlight its meaning by adding and modifying it. According to his mood and taste, he selects for translation only those poems, which he can go deep into and understand with complete familiarity. He embellishes the translations with his charming style to be very close to the original and sometimes the reader gets the impression of the original poem. Apart from English, he has also translated classics of other languages. As a poet, he has always translated fluently without any semantic or linguistic hiccups and has made a name for himself in the field of translation. Therefore, Asad Muhammad is crowned as a successful and best translator in Urdu.

Keywords: Asad Muhammad Khan, Translation, poetry, Exra Pound, Różewicz,

دنیائے افسانہ میں اسد محمد خان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انھوں نے کئی شہکار افسانوں کو تخلیق کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک منفرد لہجے کے نظم گو شاعر اور گیت نگار بھی ہیں۔ ان کی شخصیت کے متنوع جہات ہیں۔ افسانہ نگار، ڈرامہ نگار، شاعر، سفر نامہ نگار اور خاکہ نگار کے علاوہ تراجم کی دنیا میں بھی اپنی صلاحیتوں کو منوا چکا ہے۔

....

*Lecturer Urdu Department, Islamia College Peshawar
**Lecturer Urdu Department, Islamia College Peshawar
***Lecturer Urdu Department, Islamia College Peshawar

اسد محمد خان کئی ایک زبانوں پر عبور رکھتے ہیں جن میں اردو، فارسی اور انگریزی کے علاوہ بندیل کھنڈی زبان، ہندی، پنجابی، مکرانی اور عربی زبان شامل ہیں۔ انھوں نے زمانۂ طالب علمی ہی میں عالمی کلاسیکی ادب کا مطالعہ شروع کیا تھا اور روسی، افریقی، برطانوی، ہندی اور انگریزی زبان کے چیدہ چیدہ تخلیقات ان کے زیرِ مطالعہ رہیں۔

اسد محمد خان نے ایک ماہر مترجم کی طرح دوسری زبانوں کے کئی ایک افسانے اور شہرۂ آفاق نظمیں اردو میں ترجمہ کر کے اہلِ نقد و ادب سے داد وصول کی۔ ان کے یہ تراجم مختلف اوقات میں مختلف ادبی رسائل میں چھپتے رہے۔ انھوں نے تراجم میں تخلیقی شان پیدا کی۔ انھوں نے انگریزی زبان اور انگریزی کے توسط سے مغرب کی دوسری زبانوں کے افسانون اور نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔ فنی نقطۂ نظر سے ان کے تراجم، ترجمہ نگاری کے بہترین نمونے ہیں۔ تخلیقی ادب کے تراجم کے علاوہ انھوں نے کُل گیارہ افسانے اور آٹھ نظمیں ترجمہ کیں۔

اسد محمد خان نے ایزرا پاؤنڈ کی چار نظموں 'ارتا ہورا'، 'البا'، 'کوڑا'، 'ان آ اسٹیشن آف دی میترو' کا تخلیقی ترجمہ کیا جس کی وجہ سے ترجمہ نگاری کی دنیا میں اپنی ہنر مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے علاوہ روسے وچ کی چار نظمیں 'خوف'، 'دور دور'، 'گمشدہ انجیل' اور 'زندگی کے درمیاں' کا ترجمہ کر کے اس میں تخلیقی روح بھر دی ہے۔

دنیا کے کسی بھی ادبی سرمائے میں تراجم بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ تراجم ہی سے ہم دنیا کی مختلف زبانوں کی کلاسیک تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور دنیا بھر کے مباحث میں تراجم ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ترجمہ نگاری کی اہمیت و افادیت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ آج کے جدید دور میں اس کی اہمیت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ترجمہ کے چند اصول و ضوابط ہیں جنھیں ہر مترجم کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ مختلف ادیبوں نے اس کے حوالے سے گراں قدر آرادی ہیں۔

اردو کے مشہور محقق، نقاد ڈاکٹر مولوی عبد الحق ترجمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جس طرح یونان کا اثر رومہ اور دیگر اقوامِ یورپ پر پڑا، جس طرح عرب عجم کو اور عجم نے عرب کو اپنا فیض پہنچایا، جس طرح اسلام نے یورپ کی تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی، اس طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہے گا۔ جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔"(۱)

اردو کے ایک محقق، نقاد اور مترجم ڈاکٹر سہیل احمد خان اس سلسلے میں گویا جوازِ ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"پابندیوں کے زمانے میں ایسے افسانوں اور ایسی نظموں کے تراجم زیادہ ہونے لگتے ہیں جن میں پابندیوں کے خلاف باغیانہ لہجہ یا جبر کا احساس زیاں نمایاں ہو، ایسی صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے ادیبوں کی یہ روحانی ضرورت بن گئی ہے یا وہ شعوری طور پر تہذیبی اور سماجی صورت حال کے پس منظر میں ایک خاص نوع کی تخلیقات سے دلچسپی رکھنے پر مجبور ہیں۔ وہ باتیں جنہیں وہ خود بیان نہیں کر سکتے انہیں ترجموں کی زبان سے ادا کر رہے ہیں۔"(۲)

ظ۔ انصاری ترجمہ نگاری کے حوالے سے اپنے مضمون 'ترجمے کے بنیادی اصول' میں لکھتے ہیں:

"خیال اور مفہوم کو اس کے باریک پیچ و خم کے ساتھ ادا کرنے کے لیے ترجمہ کرنے والے کو مصنف کے ساتھ اس طرح چلنا چاہیے جیسے سوشلسٹ انقلاب کی راہ میں محنت کشوں کو انقلابی پارٹی کے ساتھ چلنا ہوتا ہے کہ قدم سے قدم بھی ملتے رہیں اور آگے نکل جانے یا پیچھے چھوٹ جانے کا بھی امکان نہ رہے۔"(۳)

ان تمام آرا کے بعد ترجمے کے حوالے سے مختلف جہات سامنے آئی اور اس کی روشنی میں ترجمہ کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ علمی ترجمہ، آزاد ترجمہ، معتدل ترجمہ۔

معتدل ترجمہ کو تخلیقی ترجمہ بھی کہا گیا ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے مطابق:

"جب ترجمے کی تمام شرائط پوری ہو جاتی ہے تو صرف تقلید یا نقل نہیں رہ جاتا بلکہ اس میں ایک اپنا فنی حسن پیدا ہو جاتا ہے۔"(۴)

اسد محمد خان کے پیش نظر زیادہ تر ادبی تراجم ہی ہوتے ہیں۔ چاہے وہ افسانوی تراجم ہوں یا شعری تراجم۔ ان کے نزدیک ادبیت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ شعری تراجم میں وہ بامحاورہ زبان استعمال کرتے ہیں اور اپنی زبان کے روزمرہ، تشبیہات، ضرب الامثال، استعارات اور رموز و علامات سے کام لیتے ہیں، جس سے ترجمے میں ادبی رنگ جھلکتا ہے اور ترجمہ پر طبع زاد کا گمان ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اے۔ کے۔ بروہی لکھتے ہیں:

"The art of translation, let me put it as clearly as I can, is not based on mechanical law of calculation but on the law of personal sympathy. It is human transaction."(5)

اسد محمد خان اپنے تراجم میں اپنے خیال، اپنے وجود، اپنے جذبے، اپنی انا پیشگی اور اپنے قلم کو اصل مصنف کے تابع کر دیتا ہے۔ شعری تراجم میں انھوں نے انگریزی کے نامور مترجم، شاعر، محقق اور نقاد ایزرا پاؤنڈ کی چار نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔ ایزرا پاؤنڈ نے مشرقی تہذیبی روایات سے گہرا اثر لیا اور اس کی بنیادی وجہ وہ تراجم تھے جنھیں ایزرا پاؤنڈ نے انگریزی میں دوسری مشرقی زبانوں سے ترجمہ کیے۔ مشرق کی شعری روایات سے ایزرا پاؤنڈ نے پہلے تو عمر خیام کی شاعری سے انگریزی میں ترجمہ کیے۔ پاؤنڈ خود بھی ترجمہ برائے ترجمہ کا قائل نہیں تھا اور اس نے ترجمے کے وسیلے سے دونوں اطراف کی تہذیبوں کے بطون کا مطالعہ کیا۔ اسد محمد خان نے اس عظیم شاعر کو اپنے ترجمہ کے

لیے چنا اور اس سلسلے میں انھوں نے جتنے بھی تراجم کیے وہ آزاد نظم کی ہیئت میں ہیں۔ وہ مفہوم کی ادائیگی کے لیے اپنی طرف سے بھی اضافہ کر دیتے ہیں جو قاری کے لیے ایک خوشگوار حیرت کا باعث بنتی ہے۔ مثلاً ایزرا پاؤنڈ کی نظم 'Erta Hora' کا ترجمہ کرتے وقت وہ صرف لفظی ترجمے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنی طرف سے بھی اضافہ کر تا ہے۔

"Thank you, whatever come, and then she turned"

ترجمہ: شکریہ، اب جو ہونا ہے ہو تا رہے

اس نے اتنا کہا،

اور مجھے چھوڑ کر

تیز قدموں سے چلتی ہوئی

اک طرف مڑ گئی"

اس ترجمہ میں دو مصرعے 'اور مجھے چھوڑ کر' اور 'تیز قدموں سے چلتی ہوئی' اسد محمد خان کا اضافہ ہے جو اصل نظم میں نہیں۔ یہ اضافہ بے جا معلوم نہیں ہو تا بلکہ مفہوم کے عین مطابق ہے۔

ایک دوسری جگہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

"When the wind hath lifted them
Aside went swiftly from me"

ترجمہ: جب انھیں رُخ بدلتی ہوا

روشنی کی ڈگر سے ہٹائے

(جیسے دل ٹوٹ جائے)

قوسین میں درج مصرع اسد محمد خان کا اپنا اضافہ شدہ تخلیقی مصرع ہے اور یہ اضافہ بے جا معلوم نہیں ہو تا بلکہ موضوع کے عین مطابق ہے اور یہی مصرع شدت جذبات کی عکاسی کر تا ہے۔ اس طرح نظم کے بالکل آخر میں انھوں نے 'sunlit' کا ترجمہ 'کرن پھول' کیا ہے۔ نظم کے چھٹے مصرع میں پھول سے جس کرن کے روٹھ جانے کی بات اصل نظم میں ایزرا پاؤنڈ نے کی ہے اسے انھوں نے ترجمہ کرتے وقت ان دو الفاظ (پھول اور کرن) کو ملا کر 'کرن پھول' کر دیا ہے جس سے معنویت میں نہ صرف اضافہ ہوا ہے بلکہ ترجمہ کی بجائے تخلیقیت کا عنصر پیدا ہو گیا ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس سے ان کے ماہر مترجم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح آخری مصرع بھی مکمل طور پر ان کا تخلیقی مصرع ہے۔

"اس کرن پھول کا کوئی ہمسر نہیں"

اس نظم کی مجموعی فضا میں نہ صرف ادبیت کا عنصر پیدا ہو گیا ہے بلکہ یہ اضافہ قاری کے دل و دماغ پر خوشگوار اثرات بھی چھوڑتا ہے۔

افسانوی تراجم کے مقابلے میں شعری تراجم نسبتاً مشکل کام ہے اور لفظی ترجمہ کی بجائے اس میں ادبیت پیدا کرنے کی وجہ سے یہ اور بھی دشوار مرحلہ ہوتا ہے مگر اسد محمد خان ایک ماہر مترجم کی طرح اسی مشکل مرحلے سے بخیر و خوبی گزر جاتے ہیں اور اگر وہ اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرتے بھی ہیں تو یہ اضافہ مضمون کے بالکل عین مطابق ہوتا ہے۔

ایزراپاؤنڈ کی ایک اور شہرۂ آفاق نظم 'in a station of the methro' کا ترجمہ بھی اسد محمد خان نے کیا ہے اور اس میں بھی اپنی طرف سے خوبصورت اضافے کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

The apparition of these faces in
The crowd: petals on a wet, black bough

ترجمہ: اسٹیشن کے اس ہجوم میں
چہروں کا آسیب
بھیگی، کالی شاخ پہ
بکھری پنکھڑیاں

اسد محمد خان نے یہاں اپنے فن کا خوبصورت استعمال کرتے ہوئے 'Apparition of these faces' کا ترجمہ 'چہروں کا آسیب' کیا ہے جو موضوع سے بالکل مناسبت رکھتا ہے۔ اس طرح 'petals' کا ترجمہ 'بکھری پنکھڑیاں' کیا ہے جو اصل سے بھی بہتر اور مناسبت معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ایک ماہر مترجم کی طرح 'چہروں کا آسیب' کی مناسبت سے پنکھڑیوں کے بکھرنے کا ذکر ہے جس میں انھوں نے ترجمہ کے باوجود بھی تخلیقی شان پیدا کی۔

اسی طرح ایزراپاؤنڈ کی ایک اور نظم 'Alba' کا بھی معیاری و ادبی ترجمہ کر کے اپنی مشاقی کا ثبوت دیا ہے۔ اس مختصر نظم میں ایزراپاؤنڈ نے اپنے محبوب کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں قاری کی تمام تر توجہ اس کی بصری اور حسی خصوصیات پر مرکوز ہوتی ہیں۔ جبکہ ترجمہ کرتے ہوئے اس نے اس کے چاروں مصرعوں میں ان رعایتوں کا خصوصی خیال رکھا ہے۔ شیتل، اوس میں بھیگنا، زرد پتیاں اور صبح کی گود جیسے بہترین الفاظ میں ایک خاص فطری مناسبت سے فضا کی دلکشی اور دلآویزی کو قارئین بھی محسوس کر سکتے ہیں۔

As cool as the pale wet leaves of lily of the valley

جیسے اوس میں بھیگی

زرد پتیاں گیندے کی

اسد محمد خان نے ایک منجھے ہوئے مترجم اور ادیب کی طرح پھول کی بھیگی پتیوں کی مناسبت سے اوس کا اضافہ کرکے اصل سے بھی بہتر مثال پیش کی ہے۔ اس طرح نظم کے آخر میں 'Dawn' کا ترجمہ صبح کے بجائے 'صبح کی گود' کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

She lay beside me in the dawn

ترجمہ: صبح کی گود میں ساتھ میرے وہ لیٹی تھی

اس طرح اسد نے یہاں 'اوس' کی مناسبت سے 'صبح کی گود' کی ایک بہترین ترکیب استعمال کی۔ اگر وہ 'dawn' کا صرف لفظی ترجمہ 'صبح' کرتے تو بات اتنی دلکش اور حسین نہ ہوتی۔ اس سے نظم کی معنویت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ گویا متکلم یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ نہیں بلکہ 'صبح کی گود' میں لیٹی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جیسے اوس صبح کے وقت پتیوں کی آغوش میں ہوتی ہے۔ پوری نظم پڑھ کر قاری ایک خوشگوار تاثر لیتا ہوا فطرت کی آغوش میں خود بھی جیسے مدہوش ہو کر پُر سکون نیند میں چلا جاتا ہے۔ حسی اور بصری خصوصیات کی حامل اس نظم میں اصل سے زیادہ دلکشی اور ادبیت ہے۔ اسد نے خود بھی فطرت سے متعلق کئی ایک افسانے اور نظمیں تخلیق کیے ہیں اور ایک فطرت پرست کی طرح وہ ہمیشہ ایسے مناظر میں خود فراموشی کی کیفیت میں چلے جاتے ہیں۔ ایزرا پاؤنڈ کی اس نظم کو اپنے ترجمے کے لیے منتخب کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے جسے اسد محمد خان نے ایک وجدانی حسن سے آشنا کیا ہے۔

ایزرا پاؤنڈ کی ایک اور نظم 'Koda' (کوڈا) کا ترجمہ بھی انھوں نے تخلیقی شان سے کیا ہے۔ اس نظم کا ترجمہ بھی ان کی دوسری نظموں کی طرح آزاد ہیئت میں ہے۔ اس نظم میں بھی انھوں نے ایک تخلیقی روح بھر دی ہے۔ بعض اوقات صورت معنی سے دست و گریباں ہوتی ہے اور معنی روح، ذوق یا لب و لہجہ سے الجھ پڑتے ہیں۔ ایسے میں اسد ایک منجھے ہوئے ماہر مترجم کی طرح تخلیقی سطح کی سوجھ بوجھ سے کام لیتا ہے اور ذاتی عناصر کو شامل کرکے ترجمے کی روانی میں کوئی رکاوٹ نہیں آنے دیتے۔ البتہ بعض اوقات مترجم کی اپنی طرزِ ادا اور اسلوب تحریر نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ یہاں وہ محض ایک نقال کے روپ میں نہیں بلکہ اصل مصنف کا ہمنوا، مزاج دان، ہم مشرب اور حریف کے طور پر خود کو منواتے ہیں۔

اسد محمد خان ایک مشاق مترجم کی طرح تکنیک ترجمہ کی نزاکتوں اور مشکلات سے پوری طرح عہدہ برآ ہوتا ہے۔ ترجمہ میں تقابلی لسانیات، تقابلی گرامر، تقابلی لفظ سازی، جملہ بندی اور عبارت آرائی اور ثقافتی فاصلوں کا فرق جیسے تمام مرحلے سامنے آتے ہیں۔ ان تمام مراحل سے وہ بحسن وخوبی گزر جاتے ہیں۔

اسد محمد خان نے ایزرا پاؤنڈ کی نظموں کے علاوہ مشہور شاعر روسے وچ کی نظموں کا بھی ادبی ترجمہ کیا ہے۔ ان کی مشہور نظم 'خوف' جو کہ مکالمہ کی تکنیک میں لکھی گئی ہے، میں راوی ایک فرد کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تمھارا خوف میرے خوف سے بڑا ہے کیونکہ تمھارا مسئلہ مابعد الطبیعاتی یعنی غیر مادی ہے جبکہ میرا خوف خالص مادی ہے۔ وہ ایک کلرک کی مثال دیتے ہیں جو پیدائش سے لے کر اپنی انکم کا ریکارڈ ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہے کہ کہیں زندگی کے کسی موقع پر اس کی ضرورت پڑے تو فوراً پیش کیا جائے۔ وہ تخاطب کے انداز میں اپنے آپ سے مکالمہ کرتا ہے اور خود کلامی کے انداز میں اپنے آپ سے چند سوالات کرتا ہے۔ نظم کے آخری دو مصرعوں کا ترجمہ اسد محمد خان کا خود ساختہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

"What am I doing here
When will I stop pretending
Where am I going next"

ترجمہ: میں یہاں کیا کر رہا ہوں
یہ ناٹک کب بند کروں گا
کیا کہیں اور جانے کا ناٹک
بعد میں رچاؤں گا

پہلے دو مصرعوں کے ترجمہ سے وہی مفہوم ادا ہو جاتا ہے جو اصل متن میں موجود ہے لیکن آخری دو مصرعے کا اسد محمد خان کی تخلیق ہے۔ اس سے نہ صرف نظم کی معنویت اجاگر ہوئی ہے بلکہ ادبیت کا پہلو بھی نمایاں ہو کر قاری پر خوشگوار اثرات مرتب کرتا ہے۔ متکلم کو اس بات کا ادراک ہے کہ وہ مادی دنیا کے بعد غیر مادی زندگی کا ڈرامہ کرے گا۔ یہ نظم اگرچہ مختصر ہے مگر مترجم کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مترجم اصل نظم گو شاعر کے ذہن کو سمجھ کر مصرعے تخلیق کر رہا ہو۔

اس طرح نظم 'دور دور' میں بھی اسد محمد خان نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے ترجمے کو اصل کے بالکل ہم پلہ لے آئے ہیں۔ اس نظم میں بنیادی طور پر ایک حادثہ کو موضوع بنایا گیا ہے جس میں ایک چھوٹا بچہ زندگی کی بازی ہار جاتا ہے۔ دھماکے میں بچے کی جو حالت ہوتی ہے شاعر اس کے حوالے سے کہتا ہے:

ترجمہ: وائلن کے ڈبے جیسی سیاہ لمبوتری شکل میں ڈھل گیا
اور دانت اپنی جگہ چھوڑ کر
آنکھ اور کان کے درمیان ایک عمودی قطار بن گئے

ایک اور نظم 'گمشدہ انجیل' کا ترجمہ بھی اسد محمد خان نے کیا ہے۔ یہ نظم حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے تخلیق کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے چار حواریوں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کے کردار بھی تخلیق کیے گئے ہیں۔ اس نظم میں بتایا گیا ہے کہ نبوت پر ایمان لانے کے لیے معجزات کی ضرورت کم فہم لوگوں کو ہوتی ہے۔ نظم میں یسوع اپنی والدہ مریم سے معذرت کے انداز میں کہتا ہے کہ ماں میری قوم اتنی کند ذہن ہے کہ مجھے خود کو ثابت کرنے کے لیے انھیں معجزات دکھانے پڑتے ہیں۔ نظم کا آخری حصہ کافی پُر اثر ہے یعنی یسوع اپنا کرب کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اسد محمد خان نے اس نظم کا ترجمہ ادبی تخلیقی انداز میں کیا ہے۔ ان کے ہاں افسانوں میں بھی یہی رنگ موجود ہے۔ اس طرح انھوں نے روسے وچ کی ایک اور نظم 'زندگی کے درمیاں' کے نام سے ترجمہ کر کے اپنی خلاقی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس نظم کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ زندگی سے انسانی رشتوں ہی کے ذریعے جڑا ہوا ہے۔ دو دوستوں کے ملنے اور بچھڑنے کا دکھ بڑے کرب سے کرتا ہے۔ اس نظم میں بھی انھوں نے جگہ جگہ اپنی طرف سے موضوع کی مناسبت سے مصرعے خود تخلیق کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

What one must loved
I would reply man

ترجمہ: کس سے محبت کی جانی چاہیے
آدمی سے
میں نے جواب دیا آدمی سے

اس نظم میں 'آدمی سے' کا اضافہ اسد محمد خان کا خود ساختہ ہے۔ اسی طرح:

Any one who thinks or feels
She is not need
Is a mass murdered

ترجمہ: جو کوئی بھی یہ سوچتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ یہ بڑھیا ضروری نہیں
وہ مجرم ہے
بنی نوع انسان کا قاتل ہے

اس مصرعے میں 'وہ مجرم ہے' اسد محمد خان کی اختراع ہے جو نظم میں شدت جذبات کی عکاسی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور مصرعے جیسے:

آدمی ایک بے بدل خزانہ ہے
'یہ پانی ہے' اور

بڑی خاموشی تھی

یہ سب مصرعے اسد محمد خان نے خود تخلیق کیے ہیں اور اصل نظم میں موجود نہیں ہیں مگر اس فنکاری کے ساتھ کہ موضوع سے بھی مناسبت رکھنے کی وجہ سے اصل سے بالکل قریب دکھائی دیتے ہیں۔

انھوں نے افسانوی تراجم کی طرح شعری تراجم میں بھی جگہ جگہ خوبصورت اور دلنشین اضافے کیے ہیں مگر یہ اضافے بے جا اور بے موقع معلوم نہیں ہوتے بلکہ موضوع سے مناسبت کی وجہ سے قاری کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اضافہ شدہ جملے یا مصرعے پڑھ رہا ہے۔ اگر قاری اصل تخلیق سے ناواقف ہو تو وہ اس کی روانی اور بے ساختگی کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچتا کہ یہ تمام مترجم کی ذہنی اختراع ہے۔ وہ چونکہ خود ایک اعلیٰ پائے کا افسانہ نگار اور شاعر ہے تو ان کے لیے اصل تخلیقات کی روح تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں۔ انگریزی زبان پر مترجم کو مکمل عبور حاصل ہے اور اس لیے وہ ترجمہ برائے ترجمہ کرنے کے بجائے بڑی روانی اور آسانی سے مصرعوں اور جملوں کو اپنی تراجم میں شامل کرتا جاتا ہے۔

افسانوں کے مقابلہ میں اسد محمد خان کا قلم شعری تراجم میں زیادہ رواں دواں رہتا ہے۔ انھوں نے انگریزی شعراء کے علاوہ کئی ہندی، مراٹھی اور گجراتی نظموں کا ترجمہ بھی کیا ہے جو مختلف رسائل اور ڈائجسٹوں میں چھپ چکے ہیں۔

ان کی ایک اور ترجمہ شدہ نظم 'آنجہانی باپ کے لیے' ہے۔ یہ سروشیور دیال سکسینہ کی ہندی نظم ہے جسے انھوں نے فنکاری سے ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ترجمہ: سورج کے ساتھ ساتھ شام کے منتر ڈوب جاتے ہیں
گھنٹی بجتی تھی یتیم خانے میں
بھوکے بھٹکے بچوں کے لوٹ آنے کی
دور دور تک پھیلے کھیتوں پر
دھویں میں لپٹے گاؤں پر
برکھا سے بھیگی کچی ڈگر پر
جانے کیا بھید بھرا اندھیرا پھیل جاتا ہے
اور ایسے میں آواز آتی تھی، پتا!
تمھارے پکارنے کی

میرا نام اس اندھیارے میں بج اٹھتا تھا
تمھارے سروں میں
میں اب بھی ہوں
اب بھی ہے یہ روتا ہوا اندھیرا چاروں طرف
لیکن تمھاری آواز نہیں ہے
جو میرا نام بھر کر
اسے شانت سروں میں بجادے
دھکا دے کر کسی کو
آگے جانا پاپ ہے
اس لیے تم بھیڑ سے الگ ہو گئے

اسد محمد خان نے زمانہ طالب علمی میں ہی 'Free Mason' سیریز پڑھ لی تھی۔ افریقی اور روسی ادب کے چیدہ چیدہ افسانہ نگار اور نظم گو شاعر پڑھ ڈالے تھے۔ ایک انٹرویو میں جب ان سے افریقی ادب اور تراجم میں دلچسپی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ:

"سب سے بڑی وجہ یہ کہ افریقہ کرۂ ارض پر ہمیشہ سے موجود تھا۔ میں نے اپنے وجودی مائل دور میں رائیڈر ہیگرڈ کی 'she'، 'گویا'، 'عذرا' اور 'واپسی' وغیرہ سے شروع کر کے خوب افریقہ پڑا۔"(٦)

غرض ایک معیاری اور ادبی ترجمے کے لیے جن جن لوازمات کا خیال رکھنا پڑتا ہے، وہ اسد محمد خان نے اچھی طرح جان لیے تھے۔ البتہ ایک سوال یہ ضرور اٹھتا ہے کہ آیا شعری متن کا براہِ راست ترجمہ ممکن ہے جبکہ زبانوں کے محاورے اور زبانوں کا لسانی سانچہ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اور اگر ایسی دشواری رفع نہیں کی جاسکتی تو کیا ترجمہ کرنے والے کو اجازت ہے کہ وہ وجدانی تحریک کے زیر اثر اصل متن کی روح میں اُترے اور آزاد فکر کی مدد سے اصل شعری متن کو ترجمہ کرے۔ اس کا جواب شان الحق حقی اپنے مضمون 'ادبی تراجم کے مسائل' میں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ترجمے کے لیے خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے تاہم ضروری یہ ہے کہ ترجمے اور اصل متن کا باہمی رشتہ برابر قائم رہے اور اصل متن کے ساتھ تعلق ان نئے لوگوں کے لیے برابر سودمند ہو جن کے لیے اصل شعری متن کے ترجمے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔"(٧)

اس ضمن میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی ترجمہ سو فیصد اصل متن کے مطابق نہیں ہوتا اور اگر دونوں زبانوں کے بنیادی ڈھانچے میں لسانی اور تہذیبی فرق ہو تو مترجم کے لیے اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ترجمے کی صورت میں متن کی شکل ہر طور بدلتی ہے اور متن ترجمے کے عمل سے گزرتے ہوئے ایک نیا قالب اختیار کرتا ہے اور نئے لسانی پیکر میں نئے لفظوں کے ذریعے آشکار ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر جیلانی کامران اپنے مضمون 'شعری ادب کے مسائل اور مشکلات' میں لکھتے ہیں:

"شاعری کبھی بھی اپنے الفاظ میں روپوش نہیں رہتی۔ اس لیے جس شکل میں بھی ظاہر ہوتی ہے اپنے ہی اصل لباس کو آشکار کرتی ہے۔ انسان کے قلب و نظر کی گفتگو شاعری ہے اور اسے قلب و نظر کی گفتگو ہی میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ترجمے کے عمل کو قلب و نظر کی گفتگو بنادینے سے اعلیٰ شعری ادب کے در و بام کھل سکتے ہیں۔"(۹)

اسد محمد خان نے ان تمام شعری تراجم کے وقت ان باتوں کو مد نظر رکھا اور شعری بطون کے اندر اس چمک کو دریافت کیا جو ہر مترجم کے لیے لازمی ہے جس کے بغیر ایک کامیاب اور ادبی ترجمہ ممکن نہیں۔ اگر مترجم خود شاعر بھی ہو تو شعری نزاکتوں کو سمجھنا اس کے لیے نسبتاً زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے تراجم کو کسی بھی طرح کے اعلیٰ معیاری تراجم کی صف میں رکھا جاسکتا ہے۔ ان کے شعری تراجم لسانیاتی سطح پر الفاظ اور ان کی مختلف شکلیں اپنی گرہیں کھولتی ہیں اور اپنے معانی و مفاہیم کا انکشاف کرتی ہیں۔ اسی طرح ان کے تراجم میں ابلاغ کی دونوں سطحوں کا حقیقی ملاپ ہی قاری تک اپنا بنیادی خیال منتقل کرتی ہے۔

اسد محمد خان شعری تراجم میں اکثر اصل شاعر کی نازک اور نادر خیالی، نیم محسوس حقیقت، خیال آرائی، ذاتی اور اچھوتے تجربے، دوررس افکار اور وجدانی کیفیتوں کا بہت خیال رکھتے ہیں جو کسی بھی مترجم کے لیے انتہائی مشکل کام ہے۔ وہ اکثر ایسے مقامات کو بھی گرفت میں لیتے ہیں جہاں شاعر کا اصل خیال سطور میں نہیں بلکہ بین السطور یا ماورائے سطور میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ کبھی کبھی الفاظ محض ایسے پلیٹ فارم کا کام کرتے ہیں جہاں سے معانی کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے اور وہ اسی جھلک کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ ان کے کیے ہوئے تراجم کو پڑھنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ترجمے کو پڑھ کر قاری اصل تصنیف کے بجائے ترجمہ پڑھ کر ہی متاثر ہوتا ہے کیونکہ ترجمے کے تمام قارئین کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی کہ اصل تصنیف میں کیا تھا یا اس کا انداز بیان کیا تھا۔ وہ ترجمے کو اصل کے نعم البدل کی حیثیت سے پڑھتے ہیں۔ اس میں جو کچھ ہوتا ہے وہی ان کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔ اس حوالے سے وہ خود لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے پورے کیریئر میں، شعر اور نثر لکھتے ہوئے صرف یہ مقصد سامنے رکھا ہے کہ جو 'بات' مجھ تک پہنچنے کو بے تاب ہے میں اسے آنے دوں، اس کا راستہ نہ روکوں، اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے اسے کہہ دوں، یعنی لکھ دوں۔ اس کے بدلے میں ایک مسرت اور آسودگی ملتی ہے جو نہال کر دیتی ہے، تادیر خوش رکھتی ہے۔ یہ اس گیت، نظم، کہانی کو اپنی مرضی کا لکھ دینے پر میرے حصے میں آتی ہے۔"(۹)

اس اقتباس سے اسد محمد خان کا تخلیقی مقصد ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں تک ان کے کیے ہوئے ادبی شعری تراجم کا تعلق ہے تو ایزرا پاؤنڈ کی نظمیں ہوں یا کسی اور شاعر کی، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ اصل شاعر کے خیال اور جذبے کو من و عن پیش کرے۔ اس سلسلے میں موجود علامتوں، استعاروں اور پیکروں کے نظام کو وہ بلاضرورت نہیں چھیڑتے۔ وہ بلیغ اشاروں، حکیمانہ الفاظ، فلسفیانہ خیالات، جذبے کی رو اور تاثیر کو پوری شادابی اور شدت کے ساتھ ترجمے میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا ان کے ہاں ترجمے میں فن کے خارجی اور داخلی عناصر کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ وہ حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ حذف و اضافے کا اثر کم سے کم ہو۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عنوان چشتی اپنے مقالہ 'منظوم ترجمے کا عمل' میں لکھتے ہیں:

"ترسیل کے عمل سے گزر کر مترجم قاری کے سامنے نئی مگر پرانی تخلیق پیش کرتا ہے۔ اس لیے قاری اور نقاد سب سے پہلے اس کی زبان سے متعارف ہوتا ہے۔ اس کے بعد تکنیک، اسلوب اور مکمل ہیئت اس کے سامنے آتی ہے۔"(۱۰)

اس تمام بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسد محمد خان ایک بڑے تخلیق کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین مترجم بھی ہیں اور جس طرح تخلیقی میدان میں انھوں نے شاعری اور نثر دونوں میں طبع آزمائی کی اور کئی شہکار نظمیں اور افسانے تخلیق کیے، اسی طرح جب انھوں نے ترجمہ نگاری شروع کی تو اس میدان میں بھی ان کی بہترین کاوشیں سامنے آئیں اور ترجمہ کو 'Recreation' کا درجہ دے دیا۔ انھوں نے دوسری زبانوں کی بہترین اور شہرۂ آفاق نظموں کا ترجمہ کر کے قارئین کے لیے نہ صرف آسان اور قابلِ فہم بنا دیا بلکہ اس میں موقع و محل کے مطابق اضافے کر کے اس میں تخلیقی روح بھی بھر دی اور ترجمے کو تخلیق کے درجے تک پہنچا دیا۔ انھیں اردو کے علاوہ انگریزی زبان پر نہ صرف عبور حاصل ہے بلکہ وہ اس زبان میں تخلیق کیے گئے کئی شہکاروں کو پوری گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں جس سے اس کے تراجم میں ادبیت کے رنگ خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ متنوع خصوصیات کی حامل ان کی تحریروں میں کئی رنگ موجود ہیں۔ ترجمہ نگاری کی دنیا میں ان کی کاوشوں کو ہمیشہ سراہا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر عبدالحق، مقدمات (حصہ دوم)، انجمن ترقی اردو، ص ۲۰۲

Dr. Abdul Haq, Muqadimmat (Part-2), Anjuman-e-Traqiy-e-Uurdu, P. 202

۲۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان، ادبی ترجمے کے مسائل مشمولہ طرزیں، قوسین۔ لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۸

Dr. Sohail Ahmad Khan, Adabi tarjumay k masail mashmoola tarzain, Qausain, Lahore, 1982, P. 118

۳۔ ظ۔ انصاری، ترجمے کے بنیادی اصول، ادب لطیف۔ لاہور، اگست ۱۹۵۲ء

Zway Ansari, Tarjumay k bunyadi Usool, Adab-e-Lateef, Lahore, August 1952

۴۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، فن ترجمہ کے اصول و مبادیات مشمولہ فن ترجمہ کاری از صفدر رشید (مرتب)، پورب اکادمی۔ اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۸۳

Dr. Mirza Hamid Baig, Fann-e-Tarjuma k Usool o Mabadiyat mashmoola Fann-e-Tarjuma kari by Safdar Rasheed, Poorab Academy, Islamabad, 2015, P. 183

۵۔ اے کے بروہی، importance and value of translation in literation، اہل قلم کانفرنس، اکادمی ادبیات پاکستان۔ اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

A.K Barohi, Importance of Translation, Ahl-e-Qalam conference, Academy Adabiyat Pakistan, Islamabad, 1983

۶۔ ماہنامہ چہار سو، راولپنڈی، جلد ۱۷، شمارہ جنوری فروری ۲۰۰۸ء

Mahnama Chahar Soo, Rawalpindi, Vol. 17, jan-feb 2008

۷۔ شان الحق حقی، ادبی تراجم کے مسائل مشمولہ اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مرتب: اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۲۱۵

Shan ul Haq Haqqi, Adabi Tarajum k masail mashmoola Urdu main tarjumay k masail, murattib: Ijaz Rahi, Muqtadira Qaumi Zuban, Islamabad, 1986, p. 215

۸۔ پروفیسر جیلانی کامران، شعری ادب کے تراجم کے مسائل اور مشکلات مشمولہ اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مرتب: اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۲۲۴

Prof. Jeelani Kamran, Shiri Adab k tarajum k masail aur mushkilat mashmoola Urdu main tarjumay k masail, murattib: Ijaz Rahi, Muqtadira Qaumi Zuban, Islamabad, 1986, p. 224

۹۔ اسد محمد خان، یادیں گزری صدی کے دوست، القا پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص ۱۰۲

Asad Muhammad Khan, Yadain Guzri Sadi k dost, Ilqa Publications, 2020, P. 102

۱۰۔ ڈاکٹر عنوان چشتی، منظوم ترجمے کے عمل مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت، مرتب: ڈاکٹر قمر رئیس، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۶ء، ص ۱۰۸

Dr. Unwan Cheshti, Manzoom Tarjumay k amal mashmoola Tarjumay ka Fan aur Riwayat, murattib: Dr. Qamar Raees, City Book Point, Karachi, 2016, P. 108